بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعراف

(۸)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰی يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ

اِن (قوموں) کے بعد (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ[۴۵۴] فرعون[۴۵۵] اور اُس کے سرداروں کے پاس (رسول بنا کر) بھیجا، مگر اُنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اِن (نشانیوں) کا انکار کر دیا۔[۴۵۶] پھر دیکھو کہ اِن مفسدوں کا انجام کیا ہوا![۴۵۷] موسیٰ نے کہا: اے فرعون، میں جہانوں کے پروردگار

۴۵۴؎ اصل میں لفظ 'اٰیٰت' آیا ہے۔ اِس سے مراد وہ عقلی اور فطری دلائل بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون نے فرعون اور اُس کے سرداروں کے سامنے پیش کیے اور وہ حسی معجزات بھی جو اُنھوں نے فرعون اور اُس کی قوم کو دکھائے۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں اُن کی تفصیل کی گئی ہے۔

۴۵۵؎ لفظ فرعون 'رع' کی طرف منسوب ہے۔ قدیم اہل مصر سورج کو اپنا رب اعلیٰ یا مہادیو قرار دیتے اور اُسے 'رع' کہتے تھے۔ چنانچہ لفظ فرعون کے معنی ہیں: سورج دیوتا کی اولاد۔ مصر کے بادشاہ اُس زمانے میں اپنے آپ کو 'رع' کے جسمانی مظہر اور اُس کے ارضی نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے اور لوگوں کو یقین دلاتے تھے کہ اُن کے رب اعلیٰ یا مہادیو وہی ہیں۔ دور حاضر کے محققین کا عام میلان ہے کہ یہ فرعون منفتہ یا منفتاح تھا۔

رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ
بِبَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنۡ کُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰیَۃٍ

کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ مجھے یہی چاہیے اور میں اِسی کا حریص ہوں[۴۵۸] کہ خدا کی طرف سے حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں۔ تمھارے پروردگار کی طرف سے میں تمھارے پاس (اپنے اِس منصب کی) صریح نشانی[۴۵۹] لے کر آیا ہوں، سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دو[۴۶۰]۔ اُس نے جواب دیا: اگر کوئی نشانی

۴۵۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'فَظَلَمُوۡا بِہَا'۔ اِن میں 'ب' کا صلہ دلیل ہے کہ 'ظلموا' یہاں 'کفروا' یا 'جحدوا' کے مفہوم پر متضمن ہے۔

۴۵۷؎ سورہ کے مخاطبین کو یہ اِس سرگذشت کے سنانے کی اصل غایت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ خدا اور اُس کے رسولوں کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی جائے تو قرآن اِسے بھی فساد سے تعبیر کرتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کے لیے 'مُفۡسِدِیۡنَ' کا لفظ یہاں اِسی مفہوم میں ہے۔

۴۵۸؎ اصل میں 'حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ' کے الفاظ ہیں۔ اہل اور سزاوار کے معنی 'حقیق به' یا 'هو حقيق ان يفعل كذا' کے الفاظ آتے ہیں۔ یہاں اِس کے ساتھ 'عَلٰی' ہے۔ اِس سے یہ حریص کے معنی پر متضمن ہو گیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...ظاہر ہے کہ جو خدا کا رسول اور سفیر ہو، وہی سب سے زیادہ اہل اِس بات کا ہو سکتا ہے کہ خدا کی صحیح صحیح ترجمانی کرے، اُس پر کوئی من گھڑت بات نہ لگائے، اِس لیے کہ اُس کا علم ظن و قیاس پر نہیں، بلکہ براہ راست خدا کی وحی اور خطاب پر مبنی ہوتا ہے اور اپنے منصب کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے وہ اِس بات کا نہایت حریص بھی ہوتا ہے کہ اُس کی زبان سے کوئی کلمہ حق کے خلاف نہ نکلے، اِس لیے کہ جس پرسش کا خوف اُسے ہوتا یا ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کو نہ ہوتا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۳۴۰)

۴۵۹؎ اِس سے مراد عصا اور ید بیضا کا وہ معجزہ ہے جس کا ذکر آگے ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے باجبروت بادشاہ کے پاس بھیجنے کے لیے ضروری تھا کہ اُنھیں ایسے غیر معمولی معجزات دیے جائیں اور وہ شروع ہی میں اُن کا مظاہرہ بھی کر دیں تاکہ فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر اُن کی بات سننے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

۴۶۰؎ دوسرے مقامات میں تصریح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہ مطالبہ ہی نہیں کیا، اِس کے ساتھ انبیا

فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾
وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ
هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو، اگر تم سچے ہو۔ اِس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو یکایک وہ ایک جیتا جاگتا اژدہا تھا[۱۶۱] اور اُس نے اپنا ہاتھ (آستین سے) کھینچا تو دیکھنے والوں کے لیے وہ دفعتاً چمکتا ہوا نکلا۔[۱۶۲] فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھا تو) کہا: یہ شخص تو بڑا ماہر جادوگر ہے، تمھیں تمھارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے،[۱۶۳] سو بتاؤ، کیا راے دیتے ہو؟ پھر سب نے (فرعون) کو مشورہ دیا کہ ابھی اِس

علیہم السلام کے عام طریقے کے مطابق فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر کو توحید اور معاد پر ایمان اور خشیت و تذکر کی دعوت دی اور اپنے غیر معمولی معجزات سے اُن پر اتمام حجت بھی کر دیا جس کے نتیجے میں وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کا یہ مطالبہ بھی، معاذ اللہ کسی قوم پرست لیڈر کی طرف سے اپنی قوم کو غلامی سے چھڑانے کا مطالبہ نہیں تھا، بلکہ خدا کی اُس اسکیم کو بروے کار لانے کے لیے کیا گیا تھا جس کے تحت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کو عالمی سطح پر ابلاغ دعوت اور اتمام حجت کے لیے منتخب کیا گیا۔ اِس اسکیم کے مطابق یہ ضروری تھا کہ اُنھیں ایک خاص علاقے میں آباد کر کے وہاں دعوت حق کا مرکز قائم کیا جائے۔ بائیبل کی کتاب خروج کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ پوری اسکیم فرعون اور اُس کے درباریوں کے سامنے واضح نہیں فرمائی، بلکہ صرف اتنا کہا کہ وہ قربانی کی عبادت کے لیے تین دن کی راہ بیابان میں جانا چاہتے ہیں، اِس لیے کہ جس چیز کی قربانی کرنا پیش نظر ہے، اُس کی قربانی اگر مصر میں کی گئی تو وہاں کے لوگ اُنھیں سنگ سار کر دیں گے۔

۱۶۱؎ یعنی ایسا کھلا اژدہا کہ جس میں ذرا کسی شبہے کی گنجایش نہ ہو۔ آیت میں 'ثُعْبَان' کے ساتھ 'مُبِيْن' کی صفت اِسی مفہوم کے لیے لائی گئی ہے۔

۱۶۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ'۔ 'نظر' کا لفظ عربی زبان میں اصلاً غور و تامل کے ساتھ دیکھنے کے لیے آتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ہاتھ میں جو چمک ظاہر ہوئی، وہ محض فریب نظر کی نوعیت کی نہیں تھی، بلکہ غور و تامل سے

عَلِيۡمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾
قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾
قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلۡقُوۡا

کو اور اِس کے بھائی کو ٹال دیجیے[464] اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیجیے جو سب ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ گئے۔ اُنھوں نے کہا: اگر ہم جیت گئے تو بڑا صلہ تو ہمیں یقیناً ملے گا؟[465] فرعون نے جواب دیا: ہاں، ضرور اور تم ہمارے مقربین میں شامل ہو گے۔۱۰۳-۱۱۴

(اِس پر) جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ، تم پھینکو گے یا (اگر تم چاہو تو) ہم پھینکتے ہیں؟[466] اُس نے کہا:

دیکھا جائے تو صاف واضح ہو جاتا تھا کہ اُس کی تابانی بالکل اصلی اور حقیقی ہے۔

۴۶۳؎ یعنی کچھ ایسا ویسا جادوگر نہیں ہے، بلکہ بڑا ماہر جادوگر ہے اور بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ اِس لیے کر رہا ہے کہ اُنھیں منظم کر کے اپنی فوج بنائے اور تم پر حملہ کر کے تمھیں اِس ملک سے نکال دے اور یہاں اپنی حکومت قائم کر لے۔ موسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی شخصیت اور بنی اسرائیل کی کثیر تعداد کے پیش نظر یہ بات بالکل قرین قیاس تھی۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ فرعون کے درباریوں نے فی الواقع یہی سمجھا ہو اور اِس کا بھی امکان ہے کہ اُنھوں نے اپنے لوگوں کو آں جناب کی دعوت سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ اشغلا اُسی طریقے پر چھوڑا ہو، جس طرح کہ ہر دور کے ارباب اقتدار کا شیوہ رہا ہے۔

۴۶۴؎ اصل میں 'اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'اَرۡجِهۡ' درحقیقت 'ارجئه' ہے۔ لفظ کو ہلکا کرنے کے لیے اِس طرح کے تصرفات عربی زبان میں عام ہو جاتے ہیں۔

۴۶۵؎ قرآن نے یہ جملہ ساحروں کی اخلاقی پستی اور دناءت کو واضح کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیشہ وروں کے عام طریقے کے مطابق اُنھوں نے اِس خوش آمدانہ انداز میں انعام کی توقع کا اظہار کیا۔

۴۶۶؎ یہ بات اُنھوں نے پیشہ ورانہ اخلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہی، لیکن جملے کا اسلوب ایسا ہے کہ اُن کی یہ خواہش بھی اُس سے ظاہر ہو رہی ہے کہ حضرت موسیٰ چاہیں تو وہ پہل کرنے کے لیے تیار ہیں۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ
الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾
وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ

تم ہی پھینکو۔[۴۶۷] چنانچہ اُنھوں نے پھینکا تو لوگوں کی آنکھیں باندھ دیں[۴۶۸] اور اُن پر دہشت طاری کر دی اور بڑا زبردست جادو بنا لائے۔ ہم نے موسیٰ کو اشارہ کیا کہ اپنا عصا پھینکو۔ اُس کا پھینکنا تھا کہ وہ اُن کے اُس طلسم کو نگلتا چلا گیا جو وہ بنا لائے تھے۔ سو حق ظاہر ہوا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا۔[۴۶۹] فرعون اور اُس کے ساتھی (اُس روز) وہاں مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے اور جادوگر (خدا کی اِس نشانی کو دیکھ کر) سجدے میں گر پڑے۔[۴۷۰] اُنھوں نے (بے اختیار) کہا: ہم جہانوں کے پروردگار

۴۶۷؎ موسیٰ علیہ السلام کو پورا اعتماد تھا کہ اُن کا پروردگار اُن کے ساتھ ہے، اِس لیے اُنھوں نے پہلے اُنھی کو موقع دیا کہ وہ اپنا ہنر دکھائیں۔ جادوگر جب اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تو جوے کے تیروں کی طرح کوئی چیز دیکھنے والوں کے سامنے پھینکتے اور اُس پر اپنا جادو دکھاتے ہیں۔ آیت میں ’اِلْقَاء‘ یعنی پھینکنے کا لفظ اِسی مناسبت سے آیا ہے۔

۴۶۸؎ یہ قرآن نے جادو کی حقیقت واضح کر دی ہے کہ اُس سے کسی چیز کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی۔ وہ محض نگاہ اور قوت متخیلہ کو متاثر کرتا ہے جس سے انسان وہی کچھ دیکھنے لگتا ہے جو جادوگر دکھانا چاہتا ہے۔

۴۶۹؎ یعنی عصا کا سانپ جدھر جدھر گیا، اُس نے سانپوں کی طرح لہراتی ہوئی ہر رسی اور لاٹھی کو اُسی طرح رسی اور لاٹھی بنا دیا جس طرح وہ حقیقت میں تھی اور سارا طلسم نابود ہو گیا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یہ بالکل ویسی ہی بات ہے کہ مہ نخشب کے مقابلے میں خورشید جہاں تاب نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں مصنوعی چاند، سورج ہوں، جب بھی حقیقی سورج کے نکلتے ہی اُن کی چمک دمک ملمع کی طرح غائب ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ کے معجزے کے ظاہر ہوتے ہی ساحروں کا سارا طلسم غائب ہو گیا۔“

(تدبر قرآن ۳/ ۳۴۷)

۴۷۰؎ اصل الفاظ ہیں: ’وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ‘۔ ’اُلْقِيَ‘ مجہول کا صیغہ ہے۔ یہ جادوگروں کے

هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ
لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُ قَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

پر ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے[۱۷۱]۔ ۱۱۵-۱۲۲

فرعون نے کہا: تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ہو؟ یہ ایک سازش ہے جو تم نے اِس شہر میں اس لیے کی ہے کہ اِس کے باشندوں کو وہاں سے نکال دو[۱۷۲]۔ سو (اِس کا نتیجہ) تمھیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ اُنھوں نے

جذبۂ تعظیم و اکرام کی تعبیر کے لیے آیا ہے۔ سحر و ساحری اور اِس طرح کے دوسرے علوم و فنون کو اُن کے ماہرین ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اِن میں اور معجزے میں فرق کے لیے یہ نہایت واضح معیار ہے کہ اِن علوم و فنون کے ماہرین بھی اُس کے سامنے اعتراف عجز پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۱۷۱؎ یہ صاف فرعون کی خدائی سے انکار تھا۔ سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۷۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابلے پر آنے سے پہلے ہی جادوگر کسی حد تک سمجھ چکے تھے کہ معاملہ اُن کے کسی ہم پیشہ سے نہیں ہے۔ آیت میں 'مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ' کے الفاظ اِسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے اندر دبی ہوئی روشنی اِسی کی منتظر تھی کہ کوئی آگ دکھائے اور وہ بھڑک اٹھے۔ استاذ امام کے الفاظ میں سعادت کا کوئی شمہ بھی انسان کے اندر موجود ہو تو بتوفیق الٰہی وہ اپنا اثر دکھا ہی جاتا ہے۔

۱۷۲؎ جادوگروں کے اعتراف حق سے مجمع پر جو اثر پڑا اور فرعون اور اُس کے درباری جس طرح رسوا ہو کر رہ گئے، اُس کی خفت مٹانے اور بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالنے کے لیے اُس نے کائیاں سیاسیوں کی طرح فوراً اُن پر سازش کا الزام رکھ کر سزا سنا دی کہ یہ سب تمھاری اور موسیٰ کی ملی بھگت ہے۔ تم سب مل کر ہمارے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تم نے میری اجازت کا انتظار بھی نہیں کیا اور موسیٰ پر ایمان کا اعلان کر دیا ہے۔ اب میں تمھیں وہی سزا دوں گا جو سلطنت کے باغیوں کو دی جاتی ہے۔

وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

جواب دیا: (پھر کیا ہے)، ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹیں گے! تم صرف اِس غصے میں ہمارے درپے آزار ہو رہے ہو کہ ہمارے پروردگار کی نشانیاں جب ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ پروردگار، (اب) تو ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہمیں اِس حال میں دنیا سے اٹھا کہ ہم مسلمان ہوں[۴۷۳]۔ ۱۲۳-۱۲۶

فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تم موسیٰ اور اُس کی قوم کو اِسی طرح چھوڑے رکھو گے کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور تمھیں اور تمھارے (ٹھیرائے ہوئے) معبودوں کو ٹھکرائیں[۴۷۴]؟ فرعون نے جواب دیا: ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اُن کی عورتوں کو جیتا رہنے دیں گے۔ ہم اُن پر

۴۷۳؎ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سچا ایمان آن کی آن میں انسان کو کس بلندی پر پہنچا دیتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یہ وہی جادوگر ہیں جن کی دناءت اور پست ہمتی کا ابھی چند منٹ پہلے یہ حال تھا کہ اپنے کرتب دکھانے کے لیے فرعون کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو بھانڈوں، نقالوں اور مسخروں کی طرح اپنے فن کے مظاہرے پر بھرپور انعام کی التجا پیش کرتے ہیں یا اب یہ حال ہے کہ ایمان کی روشنی دل میں داخل ہوتے ہی اُن کے باطن کا ہر گوشہ اِس طرح جگمگا اٹھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، تاریکی کی کوئی پرچھائیں اُن کے دلوں پر کبھی پڑی ہی نہیں تھی اور یہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں بلکہ یہ عزیمت و استقامت کے پہاڑ اور پاکیزگی و قدوسیت کے ملائک صفت پیکر ہیں۔ غور کیجیے، فرعون نے کتنی بڑی دھمکی اُن کو دی، لیکن اُنھوں نے اِس کے جواب میں فرمایا تو یہ فرمایا کہ کچھ غم نہیں، اگر تم نے ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دے دی تو ہم کہیں اور نہیں جائیں گے، اپنے رب ہی کے پاس جائیں گے اور جب تیرا سارا غضب ہمارے اوپر اِس جرم میں ہے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر، جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں، ایمان لائے تو

قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ یُوۡرِثُهَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوۡۤا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَ مِنۡۢ بَعۡدِ

پوری طرح حاوی ہیں[۴۷۵]۔ (اِس پر) موسیٰ نے اپنی قوم کو نصیحت کی: تم اللہ سے مدد چاہو[۴۷۶] اور ثابت قدم رہو۔ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور (یاد رکھو کہ) آخر میں کامیابی اُنھی کی ہے جو (اُس سے) ڈرنے والے ہوں[۴۷۷]۔ اُنھوں نے کہا: ہم تمھارے

جو کچھ تو کر سکتا ہے، وہ کر گزر، اگر اِس جرم کی یہ سزا ہے تو ہم اِس سزا کا خیر مقدم کرتے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/۳۴۸)

۴۷۴؎ اِس سے مراد خود فرعون کے بت ہیں جو سورج دیوتا کے اوتار کی حیثیت سے خود اُس کے حکم سے پورے ملک میں پوجے جا رہے تھے۔ عربی زبان میں اضافت اِس طرح کے مفہوم کے لیے بھی آ جاتی ہے۔

۴۷۵؎ بنی اسرائیل کی نسل کشی کے لیے یہی اسکیم حضرت موسیٰ کی پیدایش سے پہلے رعمیسس دوم کے زمانے میں بھی جاری رہی تھی۔ اپنے ہی منتخب کیے ہوئے میدان میں شکست کھا کر جب درباریوں نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے خلاف سخت اقدام کا مطالبہ کیا تو فرعون نے ظلم وستم کی وہی اسکیم دوبارہ جاری کرنے کا اعلان کر دیا۔ نیز یہ اطمینان بھی دلا دیا کہ اس کے نتیجے میں کسی بغاوت کا اندیشہ نہیں ہے، ہمارا اقتدار اُن کے اوپر پوری طرح مستحکم ہے۔

۴۷۶؎ یعنی نماز میں اُس کے سامنے سربسجود ہو کر اُس سے مدد کی درخواست کرو۔ اللہ سے مدد چاہنے کا یہی طریقہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...فتنوں اور آزمایشوں میں استقامت بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ کام اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اِسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے کہ 'وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ'* (اور تمھیں صبر نہیں حاصل ہو سکتا، مگر اللہ ہی کی مدد سے)۔ اللہ کی یہ مدد حاصل کرنے کا واسطہ نماز ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اِس نماز سے مراد صرف عام نماز نہیں ہے، بلکہ وہ خاص نماز بھی ہے جس کی تاکید آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکی زندگی کے ابتدائی پرمحن دور میں کی گئی تھی۔ اِسی چیز کی تاکید حضرت موسیٰ اور ہارون کو بھی کی گئی۔'' (تدبر قرآن ۳/۳۵۱)

۴۷۷؎ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، لہٰذا یہ اُس سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اُس کے ساتھیوں کو اُن کے دشمنوں پر لازماً غلبہ عطا فرماتے ہیں۔

* النحل ۱۶: ۱۲۷۔

مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰی
وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا
مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا

آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمھارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں[۴۷۸]۔ موسیٰ نے جواب دیا: امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کرے اور تمھیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو[۴۷۹]۔ ۱۲۷-۱۲۹

ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط میں اور پیداوار کی کمی (کے عذاب) میں مبتلا رکھا تاکہ وہ متنبہ ہوں[۴۸۰]، لیکن (ہوا یہ کہ) جب اُن کے اچھے دن آتے تو کہتے کہ ہم اِسی کے مستحق ہیں اور جب برے دن آتے تو اُس کو موسیٰ اور اُس کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے تھے۔ سنو، اِن لوگوں کی نحوست تو اللہ ہی کے پاس ہے، مگر اِن میں سے اکثر نہیں جانتے[۴۸۱]۔ اُنھوں نے یہی کہا کہ ہمیں مسحور کر دینے کے لیے تم

۴۷۸؎ بنی اسرائیل کا یہ جواب اُن کی روایتی بے یقینی اور ضعیف الاعتقادی کا اظہار ہے۔

۴۷۹؎ یہ برسر موقع تنبیہ ہے کہ خدا کے پیغمبر کا ساتھ دو گے تو بادشاہی ضرور مل جائے گی، مگر برقرار اُسی صورت میں رہے گی، جب اُس کا حق ادا کیا جائے گا۔ پچھلے رسولوں کی امتوں کی طرح بدمست ہو کر زمین میں فساد برپا کرو گے تو اُنھی کی طرح یہ تم سے بھی چھین لی جائے گی۔

۴۸۰؎ رسولوں کے باب میں یہ سنت الٰہی پیچھے بیان ہوئی ہے کہ اُن کی دعوت جب انذار عام کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو اِس طرح کی آزمایشیں لوگوں کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لیے آسمان سے نازل کی جاتی ہیں۔

۴۸۱؎ مطلب یہ ہے کہ اپنی نحوست دوسروں کے طالع میں ڈھونڈتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ خدا کا فیصلہ ہے جو

عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَکَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی ادۡعُ

خواہ کوئی نشانی لے آؤ، ہم تمھاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے[482]۔ مگر وہ تکبر کرتے رہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ مجرم لوگ تھے۔ جب

اُن کی بداعمالیوں کے نتیجے میں اُن کے خلاف صادر ہو گیا ہے۔

۴۸۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ'۔ یہ حال واقع ہوئے ہیں اور قرینہ دلیل ہے کہ 'مُفَصَّلٰت' کا ظرف یہاں محذوف ہے، یعنی اُن کی تفصیل بنی اسرائیل کے صحیفوں میں کر دی گئی ہے۔ چنانچہ بائیبل کی کتاب خروج میں طوفان کی تفصیل اِس طرح آئی ہے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تاکہ سب ملک مصر میں انسان اور حیوان اور کھیت کی سبزی پر جو ملک مصر میں ہے، اولے گریں۔ اور موسیٰ نے اپنی لاٹھی آسمان کی طرف اٹھائی اور خداوند نے رعد اور اولے بھیجے اور (بجلیوں کی) آگ زمین تک آنے لگی اور خداوند نے ملک مصر پر اولے برسائے۔ پس اولے گرے اور اولوں کے ساتھ آگ ملی ہوئی تھی اور وہ اولے ایسے بھاری تھے کہ جب سے مصری قوم آباد ہوئی، ایسے اولے ملک میں کبھی نہیں پڑے تھے اور اولوں نے سارے ملک مصر میں اُن کو جو میدان میں تھے، کیا انسان کیا حیوان، سب کو مارا اور کھیتوں کی ساری سبزی کو بھی اولے مار گئے اور میدان کے سب درختوں کو توڑ ڈالا۔'' (۹: ۲۲-۲۵)

ٹڈی دل کے حملے کی تفصیل اِس طرح بیان ہوئی ہے:

''تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ملک مصر پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ ٹڈیاں ملک مصر پر آئیں اور ہر قسم کی سبزی کو جو اس ملک میں اولوں سے بچ رہی ہے، چٹ کر جائیں۔ پس موسیٰ نے ملک مصر پر اپنی لاٹھی بڑھائی اور خداوند نے اُس سارے دن اور ساری رات پروا آندھی چلائی اور صبح ہوتے ہوتے پروا آندھی ٹڈیاں لے آئی اور ٹڈیاں سارے ملک مصر پر چھا گئیں اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا اور اُن کا دَل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو اُن سے پہلے ایسی ٹڈیاں کبھی آئیں اور نہ اُن کے بعد پھر آئیں گی۔ کیونکہ اُنھوں نے تمام روے زمین کو ڈھانک لیا، ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا اور اُنھوں نے اُس ملک کی ایک ایک سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے، چٹ کر لیا اور ملک مصر میں نہ تو کسی درخت کی، نہ کھیت کی کسی سبزی کی ہریالی باقی رہی۔'' (۱۰: ۱۲-۱۵)

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ

کوئی آفت اُن پر ٹوٹ پڑتی[۴۸۳] تو کہتے: اے موسیٰ، اپنے پروردگار سے تم اُس عہد کی بنا پر جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے،[۴۸۴] ہمارے لیے دعا کرو۔ اگر یہ آفت تو نے (اِس وقت) ہم سے ہٹا دی تو ہم تمھاری

جوؤں کا حملہ جس طرح ہوا، اُس کی تفصیل یہ ہے:

''تب خداوند نے موسیٰ سے کہا: ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مارتا کہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہو گئیں اور تمام ملک مصر میں زمین کی ساری گرد جوئیں بن گئی۔'' (۸: ۱۶-۱۷)

مینڈکوں کے عذاب کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے:

''پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اُس سے کہہ، خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور اگر تو اُن کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے ماروں گا اور دریا بے شمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آ کر تیرے گھر میں اور تیری آرام گاہ میں اور تیرے پلنگ پر اور تیرے ملازموں کے گھروں میں اور تیری رعیت پر اور تیرے تنوروں اور آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھریں گے اور تجھ پر اور تیری رعیت اور تیرے نوکروں پر چڑھ جائیں گے۔ اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو ملک مصر پر چڑھا لا۔ چنانچہ جتنا پانی مصر میں تھا، اُس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور ملک مصر کو ڈھانک لیا۔'' (۸: ۱-۶)

خون کا عذاب جس صورت میں ظاہر ہوا، اُس کی تفصیل یہ ہے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے اور مصر میں جتنا پانی ہے، یعنی دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں اور تالابوں پر اپنا ہاتھ بڑھا تا کہ وہ خون بن جائیں اور سارے ملک مصر میں پتھر اور لکڑی کے برتنوں میں بھی خون ہی خون ہو گا۔ اور موسیٰ اور ہارون نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا۔ اُس نے لاٹھی اٹھا کر اُسے فرعون اور اُس کے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہو گیا اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں اور دریا سے تعفن اٹھنے لگا اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہو گیا۔'' (۷: ۱۹-۲۱)

۴۸۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ'۔ اِن میں 'لَمَّا'، 'كُلَّمَا' کے معنی میں ہے۔ تصویر حال مقصود

بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ
يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا
عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ
وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ

بات ضرور مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمھارے ساتھ جانے دیں گے۔ پھر جب کچھ مدت کے لیے، جس تک اُنھیں پہنچنا ہی تھا،[۴۸۵] وہ آفت ہم اُن سے ہٹا دیتے تو اُسی وقت عہد کو توڑ دیتے تھے۔[۴۸۶] سو ہم نے اُن سے انتقام لیا[۴۸۷] اور اُنھیں سمندر میں غرق کر دیا، اِس لیے کہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن سے بے پروا بنے رہے اور اُن کو جو دبا کر رکھے گئے تھے، ہم نے اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔[۴۸۸] بنی اسرائیل پر تیرے پروردگار کا وعدۂ خیر اِس طرح

ہو تو یہ اِس معنی میں بھی آتا ہے۔ آگے آیت ۱۸۹ میں اِس کی نظیر موجود ہے۔

۴۸۴؎ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے تمھاری بات سننے اور اُس کی حرمت قائم رکھنے کا جو عہد کر رکھا ہے۔

۴۸۵؎ یعنی جو بہرحال ختم ہو جانا تھی اور اُن کے جھوٹ اور فریب کا پردہ جس کے بعد لازماً چاک ہو جانا تھا۔

۴۸۶؎ اِس کا ذکر بائیبل میں بھی ہوا ہے۔ کتاب خروج میں ہے:

''تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں اِن لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لیے قربانی کریں۔'' (۸:۸)

''فرعون نے کہا: میں تم کو جانے دوں گا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے لیے بیابان میں قربانی کرو، لیکن تم دور مت جانا اور میرے لیے شفاعت کرنا... پر فرعون نے اِس بار بھی اپنا دل سخت کر لیا اور اُن لوگوں کو جانے نہ دیا۔''

(۸:۲۸-۳۲)

۴۸۷؎ یعنی اُن جرائم کا انتقام لیا جن پر وہ اتمام حجت کے باوجود جمے رہے۔

۴۸۸؎ اِس سے فلسطین کی سرزمین مراد ہے جسے بنی اسرائیل کے لیے توحید کے مرکز کی حیثیت سے منتخب کیا گیا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے مادی اور روحانی، دونوں قسم کی برکتیں اُن کے لیے رکھ دی تھیں۔

بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾
وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ
قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾

پورا ہوا[۴۸۹]، کیونکہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے فرعون اور اُس کی قوم کا سب کچھ برباد کر دیا جو وہ (اپنے شہروں میں) بناتے اور جو کچھ (دیہات کے باغوں اور کھیتوں میں ٹٹیوں پر) چڑھاتے تھے[۴۹۰]۔ ۱۳۰-۱۳۷

(دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر کے پار اتار دیا[۴۹۱]۔ پھر اُن کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو (اِس قدر احمق تھی کہ) اپنے کچھ بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی[۴۹۲]۔ بنی اسرائیل نے (یہ دیکھا تو) کہا: اے موسیٰ، جس طرح اِن کے معبود ہیں، اِسی طرح کا ایک معبود ہمارے لیے بھی بنا دو[۴۹۳]۔ موسیٰ نے کہا: تم

آیت میں 'مَشَارِق' اور 'مَغَارِب' کے الفاظ اِس سرزمین کی وسعت اطراف کو بیان کرنے کے لیے آئے ہیں۔ یہ اِس بات کی واضح نظیر ہے کہ عربی زبان میں جمع اِس مفہوم کے لیے بھی آتی ہے۔

۴۸۹؎ اُس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو پیچھے آیات ۱۲۸-۱۲۹ میں مذکور ہے۔

۴۹۰؎ یعنی انگور جس کی پیداوار میں مصر کو اُس زمانے میں امتیاز حاصل تھا۔ یہ جزو غالب کے ذکر سے کسی چیز کی تعبیر کا اسلوب ہے، ورنہ مدعا یہی ہے کہ اُن کے تمام شہر اور باغ ملیامیٹ کر دیے گئے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت کے بعد صرف فرعون اور اُس کے لشکر ہی غرقاب نہیں ہوئے، بلکہ پورے ملک پر تباہی آئی جس سے محل اور ایوان بھی منہدم ہوئے اور ہر قسم کے باغات بھی اجڑ گئے۔

۴۹۱؎ فرعون کا انجام بیان کرنے کے بعد یہاں سے اب بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جو خدائی دینونت کے عالمی ظہور کی سرگذشت ہے۔

۴۹۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'يَعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ'۔ یہ اسلوب بیان اپنے اندر تحقیر کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ ہم نے ترجمے میں اِسی کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اِس جملے میں 'عکف' 'عَلٰى' کے ساتھ آیا ہے۔ اِس سے کسی چیز پر جمے ہونے اور اپنے آپ کو اُس سے وابستہ کر لینے کا مفہوم اِس میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ غالباً موجودہ شہر طور اور ابوزنیمہ کے قریب کسی مقام کا ذکر ہے جس سے بنی اسرائیل جزیرہ نماے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف جاتے ہوئے گزرے۔ مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ اور قدیم زمانے سے سامی قوموں کی

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سراسر باطل ہے۔ اُس نے کہا: کیا میں تمھارے لیے خدا کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں، دراں حالیکہ وہی ہے جس نے تم کو دنیا والوں پر فضیلت بخشی ہے؟ یاد کرو، جب ہم نے فرعون کے لوگوں سے تمھیں نجات عطا فرمائی جو تمھیں سخت عذاب میں ڈالے ہوئے تھے۔ وہ تمھارے بیٹوں کو بڑی بے دردی سے قتل کرتے اور تمھاری عورتیں جیتی رکھتے تھے اور اِس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے (تمھارے لیے) بڑی عنایت تھی[۹۴]۔ ۱۳۸-۱۴۱

(بنی اسرائیل وہاں سے آگے بڑھے تو) ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھیرایا اور دس مزید راتوں سے اُس کو پورا کیا تو (اِس کے نتیجے میں) اُس کے پروردگار کی ٹھیرائی ہوئی مدت، چالیس

چاند دیوی کا معبد اِسی علاقے میں تھا۔

۹۳؎ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اُن سے بھی زیادہ احمق ثابت ہوئے اور خدا کے جلال و جمال کی اتنی شانیں دیکھ لینے کے بعد بھی اُس ذہنی پستی سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوئے جس میں مصر کی غلامی نے اُنھیں ڈال رکھا تھا۔ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام مصر کے دوران میں وہ اُن کے دیوتاؤں کی پرستش بھی کرنے لگے تھے۔ چنانچہ وہاں سے نکلنے کے فوراً بعد ہی جو بت کدہ سامنے آیا، اُس کو دیکھ کر اُن کی پیشانیاں اپنے پرانے معبودوں کے آستانے پر سجدے کے لیے بے تاب ہو گئیں۔

۹۴؎ اِس میں بلاغت کا یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ لڑکوں کو ذبح کرنے کا ذکر بیٹوں کے لفظ سے ہوا ہے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے تمھاری عورتوں کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ پہلی تعبیر، اگر غور کیجیے تو شفقت پدری

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ
الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ
اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ
تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ

راتیں پوری ہو گئی۔[۴۹۵] (اِس وعدے کے لیے جاتے ہوئے) موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میرے پیچھے تم میری قوم میں میری جانشینی کرو گے اور (لوگوں کی) اصلاح کرتے رہو گے اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہیں چلو گے۔[۴۹۶] جب موسیٰ ہمارے ٹھیرائے ہوئے وقت پر پہنچ گیا اور اُس کے پروردگار نے اُس سے کلام کیا تو اُس نے التجا کی کہ پروردگار، مجھے موقع دے کہ میں تجھے دیکھوں۔[۴۹۷] فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ، اِس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہ جائے تو آگے تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ (کے ایک حصے) پر تجلی کی تو اُس کو ریزہ

کا جذبہ ابھارتی ہے اور دوسری غیرت کو حرکت میں لانے کا باعث بنتی ہے۔ جملے کا اسلوب بھی قابل توجہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بات کے ساتھ ملا کر گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی بات اُن کی زبان پر جاری کر دی ہے۔

۴۹۵؎ یہ اُس وعدے کا ذکر ہے جو دریا پار کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی شریعت دینے کے لیے فرمایا۔ چالیس راتوں کی یہ مدت اُس ذہنی اور قلبی تیاری کے لیے تھی جو کتاب الٰہی کا حامل بننے کے لیے ضروری تھی۔ پہلے یہ وعدہ تیس دنوں کا تھا، لیکن سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۸۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شوق ملاقات میں وقت مقررہ سے پہلے پہنچ گئے۔ چنانچہ اُن کی اِس جلد بازی کے باعث اللہ تعالیٰ نے اُن کی تربیت کے لیے یہ مدت تیس دنوں سے بڑھا کر چالیس دن کر دی۔

۴۹۶؎ موسیٰ علیہ السلام نے جانے سے پہلے اپنی قوم کی نگرانی کے لیے جو اہتمام فرمایا، یہ اُس کا بیان ہے۔ اِسے خاص طور پر نمایاں کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی جو لعنت اختیار کی، وہ اِس سارے اہتمام کے علی الرغم اختیار کی۔

۴۹۷؎ یہ شوق ایک فطری شوق ہے، اِس وجہ سے آں جناب کو اللہ تعالیٰ نے اِس پر کوئی ملامت نہیں فرمائی، بلکہ

سُبۡحٰنَکَ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ
عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ ۫ۖ فَخُذۡ مَاۤ اٰتَیۡتُکَ وَ کُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾
وَ کَتَبۡنَا لَہٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡعِظَۃً وَّ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ ۚ فَخُذۡہَا

ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو بولے: تو پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور (گواہی دیتا ہوں کہ) سب سے پہلے ماننے والا میں ہوں[۴۹۸]۔ فرمایا: اے موسیٰ، میں نے اپنے پیغام اور کلام سے تمھیں لوگوں پر سرفرازی بخشی ہے۔ اِس لیے جو کچھ میں نے تمھیں دیا ہے، اُسے لو اور شکر گزار بن کر رہو[۴۹۹]۔ (چنانچہ) اُس کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور (دین و شریعت سے متعلق)

صرف سمجھا دیا ہے۔

۴۹۸؎ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمجھانے کے لیے یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...یہ مشاہدہ حضرت موسیٰ کی اطمینان دہانی کے لیے کرایا گیا کہ خدا کی تجلی ذات کی تاب تو کوہ و جبل بھی نہیں لا سکتے جو جامد اور ٹھوس ہونے کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہیں تو تم انسان ضعیف البنیان ہو کر کس طرح لا سکو گے۔ انسان کی قوت برداشت محدود ہے۔ اُس کی نگاہیں روشنی کو دیکھتی ہیں، لیکن یہ روشنی ایک حد خاص سے متجاوز ہو جائے تو آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات بینائی ہی سلب ہو جاتی ہے۔ اُس کے کان آواز کو سنتے ہیں، لیکن اُن کے سننے کی تاب بھی بس ایک مقررہ حد ہی تک ہے، بجلی کا کڑکا ہی ذرا حد سے متجاوز ہو جائے تو سرے سے کان کے پردے ہی بے کار ہو جائیں۔ آفتاب اُس کی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، مگر اُس کی روشنی اور حرارت اُسی وقت تک اُس کے لیے حیات بخش ہے، جب تک وہ نہایت ہی طویل فاصلے سے، نہ جانے کتنے فضائی پردوں کی اوٹ سے اور کتنی چھلنیوں سے گزار کر اپنی روشنی اور حرارت اُس کو پہنچا رہا ہے۔ اگر کسی دن ذرا کرۂ ارض سے قریب آ کر اُس پر ایک نظر ڈال دے تو سارے جان دار جل بھن کر خاک اور راکھ ہو جائیں۔ تو جب اِس کائنات کی مخلوق کے مقابل میں انسان کی قوت برداشت اتنی ناتواں ہے تو وہ خدا کی ذات بحت کی تاب کس طرح لا سکتی ہے جو نور مطلق اور تمام چون و چگون سے ماورا اور بالاتر ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۳۶۰)

۴۹۹؎ یہ انداز کلام بھی قابل توجہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اِس میں نہایت لطیف طریقے سے توجہ دلائی گئی ہے کہ جو کچھ عطا کیا جا رہا ہے، وہی کم نہیں ہے، اُس پر قناعت کرو، مجھے دیکھنے کی خواہش نہ کرو۔

بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَالْفٰسِقِيْنَ ﴿١٤٥﴾ سَاَصْرِفُ
عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

ہر چیز کی تفصیل ہم نے تختیوں پر لکھ دی[500]۔ پھر (ہدایت کی کہ) اُنھیں مضبوطی سے پکڑ و اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اُن کے (اندر لکھے ہوئے) احسن طریقے کی پیروی کریں[501]۔ (اپنی قوم کو لے کر ذرا آگے بڑھو)، میں عنقریب تمھیں نافرمانوں کے گھر دکھاؤں گا[502]۔ (تم دیکھو گے کہ) میں عنقریب اُن لوگوں کو اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور (ایسے ہیں کہ) اگر ہر قسم کی نشانیاں

۵۰۰؎ اصل میں 'مِنْ كُلِّ شَيْءٍ' اور 'لِكُلِّ شَيْءٍ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس طرح کے سیاق وسباق میں یہ پیش نظر موضوع ہی سے متعلق ہو کر آتے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں اِسے واضح کر دیا ہے۔ تختیوں پر اللہ تعالیٰ نے خود لکھا یا اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت موسیٰ علیہ السلام نے لکھا، بائیبل کے بیان سے دونوں ہی باتیں نکلتی ہیں۔ اِن میں سے جس کو بھی مانیے، قرآن کے الفاظ اُس کے محتمل ہیں:

> ''اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام اُن کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں، ہم اُن سب کو مانیں گے اور موسیٰ نے خدا کی سب باتیں لکھ لیں۔'' (خروج ۲۴: ۳-۴)

> ''اور موسیٰ شہادت کی دونوں لوحیں ہاتھ میں لیے ہوئے الٹا پھرا اور پہاڑ سے نیچے اترا اور وہ لوحیں اِدھر سے اور اُدھر سے، دونوں طرف سے لکھی ہوئی تھیں۔ اور وہ لوحیں خدا ہی کی بنائی ہوئی تھیں اور جو لکھا ہوا تھا، وہ بھی خدا ہی کا لکھا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔'' (خروج ۳۲: ۱۵-۱۶)

یہ امر، البتہ ملحوظ رہے کہ قرآن کے الفاظ سے اِس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ تختیوں پر صرف احکام عشرہ لکھے ہوئے تھے، بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین وشریعت کی جو باتیں اُس مرحلے میں بتانی پیش نظر تھیں، وہ سب اُن میں درج کر دی گئی تھیں۔

۵۰۱؎ اصل میں 'يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں تفضیل مطلق ہے اور لوگ جو طریقے اُس زمانے میں اختیار کیے ہوئے تھے، اُن کے مقابل میں آئی ہے۔ عربی زبان میں تفضیل کے صیغے اِس پہلو سے بھی آجاتے ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں مدعا یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے کہو کہ بت پرست قوموں کی خرافات پر نہ

بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

دیکھ لیں، پھر بھی اُن پر ایمان نہ لائیں۔ اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اُسے اختیار نہ کریں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اُس پر چل پڑیں۔ یہ اِس لیے کہ اُنھوں نے (اِس سے پہلے) ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن سے بے پروا بنے رہے۔[۵۰۳] ہماری نشانیوں کو جن لوگوں نے بھی جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا ہے، اُن کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اب کیا بدلے میں اُس کے سوا کچھ پائیں گے جو کرتے رہے ہیں؟[۵۰۴] ۱۴۲-۱۴۷

رکھیں، بلکہ اُس پاکیزہ اور اعلیٰ و احسن طریقے کو اپنائیں جو اِن الواح میں اُن کو بتایا گیا ہے۔

۵۰۲؎ اُن قوموں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاقوں سے بنی اسرائیل فلسطین کی طرف اپنے سفر کے دوران میں گزرنے والے تھے۔

۵۰۳؎ آگے جو کچھ پیش آنے والا تھا، اُس کی مثال سے ہدایت و ضلالت کا قانون سمجھا دیا ہے کہ تمھارے جلو میں یہ قومیں خدائی دینونت کے ظہور کی عظیم نشانیاں دیکھیں گی، لیکن اِس کے باوجود انکار کر دیں گی، اِس لیے کہ اِن میں زیادہ متکبرین ہیں اور اِس سے پہلے بھی ہماری نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو لوگ تکبر کے ساتھ ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیتے ہیں، اُنھیں ہم ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں۔

۵۰۴؎ مطلب یہ ہے کہ وہی پائیں گے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔

[باقی]